نجم الحسن*

بلتستان میں منظوم عقیدتِ اہلِ بیتؑ: ایک تنقیدی جائزہ

A CRITICAL STUDY OF ZAFARULLAH POSHNI'S NOVELISTIC ART

Abstract: *This research paper offers a concise critical study of devotional poetry centered on the **Ahl al-Bayt** in the Urdu literary tradition of **Baltistan**. It examines major classical genres such as **marsiya, noha, salaam, manqabat,** and **mukhammas**, as practiced by notable poets including **Ghulam Hassan Hassani, Fida Hussain Shameem, Syed Mahdi Sarbaz,** and **Ghulam Hussain Saleem**. The study highlights how themes of **Karbala**, reverence for the Ahl al-Bayt, and spiritual resistance are artistically expressed through religious symbolism and classical poetic techniques. It also notes that while genres like **manqabat** and **salaam** remained prominent, **mukhammas** appeared less frequently yet retained literary importance. The paper concludes that Baltistan's devotional poetry represents both deep religious sentiment and a significant, though underexplored, contribution to regional Urdu literature.*

Keywords: *Baltistan, Urdu Poetry, Ahl al-Bayt, Elegiac Tradition, Marsiya, Noha, Salaam, Manqabat, Mukhammas.*

تلخیص: یہ تحقیقی مقالہ بلتستان کی اردو ادبی روایت میں اہلِ بیتؑ سے عقیدت پر مبنی شاعری کا ایک مختصر مگر تنقیدی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ اس میں مرثیہ، نوحہ، سلام، منقبت اور مخمس جیسی اہم کلاسیکی اصناف کا جائزہ لیا گیا ہے، جیسا کہ یہ غلام حسن حسنی، فدا حسین شمیم، سید مہدی سرباز اور غلام حسین سلیم جیسے نامور شعرا کے ہاں ملتی ہیں۔ مقالہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ کس طرح واقعۂ کربلا، اہلِ بیتؑ کی عظمت اور روحانی مزاحمت کے موضوعات مذہبی علامتوں اور کلاسیکی شعری اسالیب کے ذریعے فنی انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔ نیز یہ بھی نشان دہی کی گئی ہے کہ منقبت اور سلام جیسی اصناف کو زیادہ مقبولیت اور تسلسل حاصل رہا، جبکہ مخمس اگرچہ کم تخلیق ہوا، تاہم ادبی اعتبار سے اپنی اہمیت رکھتا ہے۔ مقالہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ بلتستان کی عقیدتی شاعری محض مذہبی اظہار نہیں بلکہ علاقائی اردو ادب کا ایک اہم اور قابلِ توجہ حصہ ہے، جس پر مزید علمی تحقیق کی ضرورت ہے۔

کلیدی الفاظ: بلتستان، اردو شاعری، اہلِ بیتؑ، مرثیہ نگاری کی روایت، مرثیہ، نوحہ، سلام، منقبت، مخمس۔

اردو شاعری میں اہلِ بیت علیہم السلام اور شہدائے کربلا سے عقیدت کا اظہار ایک قدیم اور مستحکم روایت ہے، جو ہر عہد میں شعرا کے دلوں کی گہرائیوں سے پھوٹتی رہی ہے۔ برصغیر کے دیگر علاقوں کی طرح بلتستان کے شعرا نے بھی اس موضوع کو نہایت خلوص اور فنی سلیقے سے اپنایا۔ بلتستان میں مرثیہ، نوحہ، سلام، منقبت اور حتیٰ کہ مخمس جیسے اصنافِ سخن کے ذریعے نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کا

* اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ بوائز ڈگری کالج، پیر جو گوٹھ۔

سلسلہ انیسویں صدی سے جاری ہے۔ راجہ مراد علی خان، غلام حسن حسنی، شمیم بلتستانی، سید مہدی سرباز، غلام حسین سلیم، راجہ محمد علی شاہ صبا، فدا حسین شمیم اور دیگر شعرائے کرام نے اپنی شاعری کو واقعہ کربلا اور سیرت اہلِ بیتؑ کی روحانی و اخلاقی عظمت کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ان کی تخلیقات نہ صرف مذہبی عقیدت کی نمائندہ ہیں بلکہ ان میں فکری گہرائی، زبان و بیان کا حسن اور جذبے کی صداقت بھی جھلکتی ہے۔ اس تنقیدی جائزے کا مقصد بلتستان میں اردو شاعری کے اس خاص رجحان کو نمایاں کرنا ہے، جو مقامی ثقافت، مذہبی جذبات اور فنی شعور کے امتزاج سے وجود میں آیا، اور جس نے اردو ادب کی اس عظیم روایت کو شمالی پاکستان کے پہاڑی علاقوں تک وسعت دی، جہاں آج بھی یہ نذرانۂ عقیدت دلوں کو گرما رہا ہے۔

مرثیہ اُردو ادب کی ایک مقبول صنف ادب ہے۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ یہ ایک طرف سننے یا پڑھنے والے کو روحانی تسکین فراہم کرتی ہے تو دوسری طرف ادبی ذوق کا سامان۔ مرثیہ اہلِ تشیع کے نزدیک زیادہ پسندیدہ صنفِ شاعری ہے۔ تاہم بلتستان کی زیادہ بلتی زبان میں مجالس میں مراثی پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ مقامی زبانوں میں مرثیہ نگاری کا رجحان زیادہ تر مذہبی تعلق کی بنا پر ہے۔ ادبی حوالے سے نہیں یہی وجہ ہے کہ یہاں ادبی تعلق سے مرثیے سامنے نہیں آئے۔ یہاں جو اُردو مرثیے مقبول ہیں وہ انیس و دبیر کے علاوہ پاکستان کے دیگر علاقوں سے تعلق رکھنے والے شعراء کے ہیں۔ مقامی زبان کے شعراء نے اس صنف میں قابلِ ذکر طبع آزمائی نہیں کی۔ البتہ اردو نوحہ گوئی کی صنف میں غلام حسن حسنی، سید امجد علی امجد، غلام مہدی شاہد، ذیشان مہدی اور عارف نے خاطر خواہ اضافہ کیا ہے۔

غلام حسن حسنی (پیدائش: ۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء، کھرمنگ غندوس۔ متوفی: ۲۰۱۰) بلتستان کے ان گنے چنے شعرا میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے نہ صرف اردو و بلتی زبانوں میں تخلیقی اظہار کیا بلکہ **عقیدتِ اہلِ بیتؑ** کو اپنی شاعری کا مرکزی حوالہ بنایا۔ وہ بعد ازاں اپنے والدین کے ہمراہ لاہور منتقل ہوئے، جہاں ان کی فکری نشو و نما نے مزید وسعت اختیار کی۔

ان کے بلتی مراثی کا مجموعہ "**چھیمی بلثن**" (نذرانۂ اشک) اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی شاعری محض جذباتی اظہار نہیں بلکہ شعوری طور پر اہلِ بیتؑ کی مظلومیت، عظمت اور روحانی پیغام کو شعری پیکر میں ڈھالنے کی سنجیدہ کوشش ہے۔ ان کی شاعری سوز و گداز، درد و غم، اور خلوصِ عقیدت سے لبریز ہے، جو واقعۂ کربلا کی روحانی و اخلاقی عظمت کو ایک داخلی تجربے کے طور پر پیش کرتی ہے۔

غلام حسن حسنی بلتستان کے ممتاز اور کہنہ مشق شاعر ہیں جنہوں نے اردو زبان میں منظوم عقیدت کے جذبے کو نہایت خلوص اور فنی شعور کے ساتھ پیش کیا۔ ان کی شاعری کا مرکز و محور اہلِ بیتِ اطہارؑ کی محبت اور واقعۂ کربلا سے وابستہ جذبات ہیں۔ حسنی صاحب کی شاعری میں مرثیہ، سلام اور منقبت کی اصناف کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، جن میں وہ فکری گہرائی، مذہبی جذبے اور روایتی اسلوب کو ہم آہنگ کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

ان کے ہاں واقعۂ کربلا صرف ایک تاریخی سانحہ نہیں بلکہ ایک فکری اور روحانی تحریک ہے، جسے وہ شعری پیکر میں اس طرح ڈھالتے ہیں کہ قاری اس کی شدت کو نہ صرف محسوس کرتا ہے بلکہ اس کا باطنی اثر بھی قبول کرتا ہے۔ ان کا اسلوب سادہ، رواں اور تاثیر سے بھرپور ہے، جب کہ زبان میں خلوص اور جذبے کی سچائی جھلکتی ہے۔ ایک **شاعرِ اہلِ بیتؑ** کی حیثیت سے غلام حسن حسنی کا نام بلتستان کے ادبی منظر نامے میں احترام سے لیا جاتا ہے۔ ان کی شاعری نہ صرف حزن و ملال کی نمائندہ ہے بلکہ اہلِ بیتؑ کے افکار و سیرت کو عوامی شعور کا حصہ بنانے کی کوشش بھی ہے۔ ان کی تخلیقات آنے والی نسلوں کے لیے عقیدت، تاریخ اور فکری شعور کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

غلام حسن حسنی نے بلتستان میں کربلائی ادب کی روایت کو زندہ رکھنے اور اسے نئی نسل تک منتقل کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ان کی شاعری ایک طرف عزاداری کی روحانی فضا کو تقویت دیتی ہے، تو دوسری طرف فکری سوالات اور شعوری حوالوں کو بھی شاعری کا حصہ بناتی ہے، جو ان کے شعری قد کاٹھ اور فکری افق کا پتا دیتی ہے۔ غلام حسن حسنی کے نوحوں کا مجموعہ "اشکوں کا نذرانہ" چھپ کر منظر عام پر آیا ہے(۱)۔ غلام حسن حسنی کے نوحہ سے اقتباس ملاحظہ کیجئے:

گھر لٹوایادی سرسے رداہر غم کو اٹھایا زینب نے
عباس علی کو رو روکر دنیاکو رلایا زینب نے
ہاں رسم سخاوت دنیا میں اولادعلی کے گھر سے چلی
اسلام کی خاطر صحرامیں گھر بارلٹا یا زینب نے (۲)

پروفیسر غلام حسین سلیم ایک پختہ فکر، گہری سوچ اور منطقی ذہن رکھنے والے انتہائی ذہین اور وسیع المطالعہ دانشور ہیں۔ انہیں بیک وقت تدریس، تقریر اور تحریر پر مکمل عبور حاصل ہے۔ ایک عرصہ تک وہ اسکردو اور اسلام آباد کے کالجوں میں بحیثیت ماہر استاد تعلیمی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ڈگری کالج اسکردو سے شائع ہونے والے مجلہ "قراقرم" کے ابتدائی چاروں شمارے ان کی ادارت میں چھپتے رہے۔ پروفیسر غلام حسین سلیم ایک کہنہ مشق شاعر بھی ہیں، شعلہ بیاں خطیب بھی ہیں اور بلند فکر ادیب بھی۔ وہ عربی، فارسی، انگریزی، اردو اور بلتی زبانوں میں مہارت رکھتے ہیں۔ اردو زبان و بیان، تلفظ کی درستی اور لب و لہجے کی خوبصورتی میں ان کا شمار پاکستان بھر کے معروف و مشہور اردو دانوں میں ہوتا ہے۔ وہ شمالی علاقہ جات کی قانون ساز کونسل کے مشیر بھی رہ چکے ہیں۔(۳)

پروفیسر غلام حسین سلیم کا امام عالی مقام حضرت خامس آل عباؑ کے حضور نذرانہء عقیدت کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

عجب یہ ذکر ہے غم جس کے ساتھ تو ام ہے
ہے بزم عید مگر دل میں جذبہء غم ہے

خزاں جلومیں ہے جس کے عجب بہار ہے یہ
جو شعلہ بارہے طوفان میں وہ شرار ہے یہ
یہ کیوں ہوا ہے اضافہ شفق کی سرخی میں
ہجوم ہے غم و اندوہ کا خدائی میں
ہے اضطراب دل کائنات میں ایسا
کہ جیسے ہو کوئی پُر درد حادثہ برپا
یہ کیسا پھول کھلا ہے نبی ؐ کے گلشن میں
خزاں رسیدہ سماں ہوگیا نشیمن میں
حسینیت میں نہیں ہے دھرم کی پابندی
روانہیں یہاں دیر حرم کی پابندی
نہیں حسینؑ کا مداح اک مسلماں ہی!
خراج دیتے ہیں ہندو بھی یاں مجوسی بھی
کرے جو حق کی حمایت وہی حسینی ہے
ہو جس کو ظلم سے نفرت وہی حسینی ہے
حسنیت ہے اصولوں پہ جان دے دنیا
جو وقت کا ہو تقاضا تو سر کٹا دینا(۴)

سلام: نواسہ ء رسول حضرت امام حسین سے عقیدت کے والہانہ اظہار کے لیے سلام کی صنف بلتستان کے اُردو شعراء میں معروف ہے۔ یہاں سلام کی صنف میں طبع آزمائی کرنے والوں میں راجہ محمد علی شاہ صبا، پروفیسر حشمت علی کمال الہامی، فدا حسین شمیم، غلام حسن حسنی، بر گیڈیئر محمد ذاکر، شاکر شمیم، شیخ غلام حسین سحر، غلام حسین سلیم، غلام مہدی شاہد، فرمان علی خیال، ذیشان مہدی، عارف حسین سحاب، سید مہدی سرباز، احسان علی دانش اور امجد علی امجد شامل ہیں۔ اس صنف میں بھی سب سے پہلے فدا حسین شمیم نے طبع آزمائی کی۔ آپ کے لکھے گئے سلام، فنی اعتبار سے قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۹۸۱ء میں لکھے گئے شمیم کے ایک سلام کا نمونہ دیکھیے:(۵)

سلام اے شہِ گردوں رکاب! تم پہ سلام!
سلام جانِ رسالت مآبؐ ! تم پہ سلام!

سلام لختِ دلِ بو ترابؑ! تم پہ سلام!
سلام وارثِ اُم الکتاب ! تم پہ سلام!

شمیم کے بعد جس شاعر کے سلام مقبولیت کے درجے پر فائز ہیں، وہ غلام حسین سلیم ہیں۔ آپ کے سلام میں بھی اس صنف کے تقاضوں کے مطابق سید الشہداء حضرت امام حسین کی خوبیاں گنوانے کے بعد ان پر سلام بھیجا گیا ہے۔ درج ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے۔ سلام کی ابتدا میں سلیم نے امام عالی مقام حضرت امام حسین کے افعال واقوال کو خوب صورتی سے نظم کیا ہے:

وہ صلح و جنگ کے موقع بتا دیے جس نے
حیات و موت کے معنی سکھادیے جس نے
جلایا موت کے ظلمت کدے میں ایسا چراغ
کہ بعد موت بھی مل جائے زندگی کا سراغ
حسین ہی کی یہ تاثیر کا نتیجہ ہے
کہ کربلا میں بہتر حسین تھے گویا (۶)

آپ نے جہاں سلام کی صنف میں خوب صورت تشبیہات استعمال کر کے اسے فنی اعتبار سے مستحکم کیا ہے وہیں فکری اعتبار سے ایسی تراکیب کا استعمال کیا ہے، جو امام حسین کی خوبیوں کے عین مطابق ہے اور پڑھنے والوں کا کیتھارس کرتی ہیں۔ سلام کے اشعار میں آپ کے فن کی روانی اور اظہار کی قدرت ملاحظہ کیجیے:

حسین وارثِ عیسی سلام ہو تجھ پر
حسین وارثِ موسی سلام ہو تجھ پر
سلام تجھ پہ ہو اے فاطمہ کے لختِ جگر
سلام تجھ پہ ہو مولا علی کے نورِ نظر
بریدہ حلق کو بے شیر کی ادا کو سلام
بلند بھی سرمیداں جو اس صدا کو سلام
قبول ہو میرے مولا سلیم کا یہ سلام
غلام ہے تیرے ادنیٰ غلام کا یہ غلام (۷)

مذکورہ دونوں شعراء کے علاوہ بقیہ شعراء نے منقبت کی صنف میں سلام لکھے ہیں۔ مثلاً سید مہدی سرباز کے سلام کا اسلوب باقیوں سے یکسر مختلف ہے۔

حسین رمز عبادت ہمیں سکھاتے ہیں
حسین رازِ حقیقت ہمیں بتاتے ہیں
حسین راہِ شہادت ہمیں دکھاتے ہیں
حسین پھر سے ہمیں کربلا بلاتے ہیں
حسینیت کی صداؤں کا احترام کرو
جہاں میں فخر سے جینے کا اہتمام کرو (۸)

اسی طرح سید امجد علی امجد نے بھی منقبت کی ہیت میں سلام تحریر کیے ہیں۔ آپ کے ہاں خوب صورت تشبیہات کا برملا استعمال ہوا ہے جس نے فنی اعتبار سے ان عقیدت بھرے اشعار کو معراج عطا کی ہے:

لوگ کہتے ہیں درخشاں ہے فلک پر سورج
مجھ کو معراج پہ شبیر کا سر لگتا ہے
جب چمن کوئی گلابوں سے بھرا دیکھتا ہوں
پیکرِ شاہ مجھے خون میں تر لگتا ہے (۹)

بلتستان کے ایک اور توانا شاعر غلام مہدی شاہد نے بھی سلام کی صنف کو خوب اپنایا ہے:

جنگ اکبر نے لڑی ایسی بلا کے دشت میں
یاد آئی فاتحِ خیبر کی پھر خیبر کے بعد
پیرہن پھولوں نے اکثر سرخ پہنا اس لیے
سنتِ شبیر ہے یہ دوستو اصغر کے بعد (۱۰)

بلتستان میں سلام کی صنف اگرچہ فنی و موضوعاتی سطح پر ابھی ارتقائی مرحلے میں ہے، تاہم اس میں عقیدت اور محبت کی جو شدت پائی جاتی ہے، وہ کسی بھی اعلیٰ ادبی تخلیق سے کم نہیں۔ راجہ محمد علی شاہ صبا، فدا حسین شمیم، غلام حسین سلیم، غلام مہدی شاہد، اور دیگر شعرا نے جس اخلاص، فکری توانائی اور جذبۂ عقیدت سے سلام کہے ہیں، وہ اس صنف کے امکانات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اگرچہ بعض شعرا

کے ہاں مرثیہ، نوحہ اور منقبت کو بھی سلام ہی کے دائرے میں شامل کر لیا گیا ہے، تاہم اس تنقیدی مطالعے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ آئندہ ادبی منظرنامے میں سلام بطور الگ صنف اپنی شناخت مزید مستحکم کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس کے فنی تقاضے اور موضوعاتی حدود کو مدِ نظر رکھا جائے۔ یوں سلام کی صنف بلتستان میں نہ صرف عقیدت کی گہرائی بلکہ شعری اظہار کی بلندی کا بھی استعارہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

منقبت:

بلتستان میں اردو منقبت نگاری کی روایت اگرچہ قومی ادبی دھارے سے قدرے الگ تھلگ دکھائی دیتی ہے، تاہم اس کی جڑیں نہایت مضبوط، قدیم اور فکری اعتبار سے گہرائی لیے ہوئے ہیں۔ تقریباً ۱۸۶۰ء کے آس پاس ملنے والی پہلی غیر مطبوعہ اردو منقبت، جو شگر کے شاعر مراد علی خان کے قلم سے منظرِ وجود میں آئی، اس بات کا بین ثبوت ہے کہ بلتستان میں اردو شاعری کا آغاز محض تقلید نہیں بلکہ تخلیقی شعور اور فنی شعور کے امتزاج سے ہوا۔ اس ابتدائی منقبت میں فارسی و پنجابی الفاظ کا امتزاج، لسانی تنوع، اور صنعتوں کا استعمال یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں کے شعرا فارسی شعریات سے گہرے طور پر متاثر تھے اور اس فکری سرمایہ کو اردو قالب میں ڈھالنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ منقبت کی یہ ابتدائی شکل محض مذہبی وابستگی کا اظہار نہیں، بلکہ اس علاقے میں اردو زبان کی تدریجی ترقی، اس کے تہذیبی اثرات اور شعری ذوق کی بلوغت کا نقطۂ آغاز بھی ہے۔ یوں بلتستان کی اردو منقبت محض ایک صنفِ سخن نہیں بلکہ ایک فکری اور ادبی تحریک کا ابتدائی دور ہے، جس نے مقامی ادب کو ایک وسیع تر شعری روایت سے ہم آہنگ کیا۔ (۱۱)۔ صنعتوں کی مہارت درج ذیل شعر میں ملاحظہ کیجئے:

جس شخص کو خدا نے زغفلت جگا دیا
اس دل میں حُب شاہِ ولایت جگا دیا
طبعِ نقیضِ من بصفاتش کُجا رسد
جس شخص کو خدانے سدا صد ثنا دیا(۱۲)

حضرت علی سے متعلق اس منقبت نے اُردو ادب کے پہلے دور میں مقبولیت حاصل کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے شعر میں "صنعت تجنیس" اور دوسرے شعر میں صنعتِ تجنیس مضارع پائی جاتی ہے اور کیوں کہ یہ "منقبت" حضرت علی شیر خدا کی شان میں ہے، اس لیے یہ مجالس میں کثرت سے پڑھی جاتی تھی۔

راجہ مراد علی خان مراد کے بعد ہمیں اسکردو کے راجہ محمد علی شاہ بیدل کی اُردو منقبت ملتی ہے۔ اس میں بھی حضرت علی سے والہانہ عقیدت کا برملا اظہار ملتا ہے۔

سردار اولیاء ہے مشکل کشا ہمارا
محبوبِ کبریا ہے مشکل کشا ہمارا
دوشِ نبی پہ چڑھ کر جس نے بتوں کو توڑا
وہ قوتِ خدا ہے مشکل کشا ہمارا(۱۳)

اس "منقبت" کے دوسرے شعر میں حضرت علی کے دوشِ نبیؐ پر چڑھ کر بتوں کو توڑنے کی صنعتِ تلمیح کا استعمال ہے، جو اس دور کے مروجہ رجحان کو واضح کرتا ہے۔ یہ منقبت جس طرح ابتدائی زمانے میں یہاں پسندیدہ سمجھی جاتی تھی اسی طرح آج بھی مجالس میں مقبول ہے۔ بلتستان میں اہلِ تشیع کی کثرت کے باعث یہاں منقبت کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا رہا۔ بیسویں صدی میں "منقبت" کی یہ پسندیدگی نسبتاً کم ہوگئی اور نئے شعراء نے اس صنف میں کم طبع آزمائی کی۔ قیام پاکستان کے بعد شعراء میں صرف شمیم بلتستانی کے مناقب نے شہرت پائی۔ شمیم کے مناقب میں بھی فارسی طرز نمایاں ہے، ان میں حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت عباس، کے مناقب شامل ہیں۔ منقبت میں شمیم نے مدح سرائی کے ساتھ ساتھ شاعری کے رموز کو بھی مدِ نظر رکھا ہے۔ مشکل قوافی کا ماہرانہ استعمال آپ کی خاص خوبی ہے(۱۴)۔ درج ذیل اشعار دیکھیے:

حسین انجمن عشق و معرفت کی پھبن
حسین خون سے سینچا سدا بہار چمن
لٹا گیا سرِ مقتل حسین تن من دھن
قیامِ دیں ہے حسینی لہو کا مُز د و ثمن

بعض اشعار میں فارسی اثرات اس قدر گہرے ہیں کہ ایک آدھ لفظ کو بدل کر مکمل طور پر فارسی میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً:

بتول جانِ رسالت مآب زوجِ علی
بتول مصحفِ حِلم و حیا کا حرفِ جلی(۱۵)

اس شعر میں صرف لفظ "کا" اُردو ہے بقیہ تمام فارسی کے الفاظ ہیں۔

سید مہدی سرباز ۱۹۵۲ء میں گمبہ اسکردو کے مقام پر ایک سادات گھرانے میں پیدا ہوئے اور ۱۴ جون ۱۹۹۰ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک، انتہائی ذہین و فطین خطیب و شاعر اور ادیب تھے۔ انہیں اردو اور فارسی زبان و ادب میں کمال مہارت حاصل تھی۔ ان کی تقریر و تحریر، شاعری اور گفتگو کا خصوصی فن خداداد تھا۔ وہ پانچ سال تک ایرانی کونسلیٹ میں فارسی سے اردو اور اردو سے فارسی تحریری و تقریری تراجم کے لئے بحیثیت بہترین مترجم کے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے رہے۔ کراچی کے اردو زبان دان اور ایران کے ماہرین فارسی زبان ان کی غیر معمولی زبان دانی کی صلاحیتوں پر حیرت زدہ تھے۔ عمر نے وفانہ کی عین جوانی میں عاشقان علم و ادب کو داغ مفارقت دے کر خدا کے حضور چلے گئے۔

امام عالی مقام حضرت امام حسینؑ کی شان میں لکھی گئی ایک منقبت کا ایک بند بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

حسینؑ رمز عبادت ہمیں سکھاتے ہیں
حسینؑ راز حقیقت ہمیں بتاتے ہیں
حسینؑ راہ شہادت ہمیں دکھاتے ہیں
حسینؑ پھر سے ہمیں کربلا بلاتے ہیں
حسینت کی صداؤں کا احترام کرو
جہاں میں فخر سے جینے کا اہتمام کرو(۱۶)

منقبت کی صنف بلتستان کی اردو شاعری میں ایک دیرینہ اور راسخ روایت کے طور پر سامنے آتی ہے، جو نہ صرف مذہبی عقیدت کا مظہر ہے بلکہ لسانی و فنی مہارت کی بھی غماز ہے۔ راجہ مراد علی خان، راجہ محمد علی شاہ بیدل اور شمیم بلتستانی جیسے شعرا نے حضرت علیؑ اور اہلِ بیتؑ کی شان میں ایسی مناقب تحریر کیں جو صنعتوں، تلمیحات اور فارسی اثرات سے مزین ہونے کے باوجود مقامی رنگ اور اظہار کی سچائی سے لبریز ہیں۔ ان شعرا نے نہ صرف اپنے عہد کی مذہبی فضا کو شعری قالب عطا کیا بلکہ منقبت کو فنِ شاعری کی سطح پر بھی جلا بخشی۔ اگرچہ بعد کے ادوار میں اس صنف میں طبع آزمائی کی رفتار کم ہو گئی، تاہم اس کا ادبی و فکری مقام آج بھی مسلم ہے۔ بلتستان میں منقبت نگاری کا یہ تسلسل اس امر کا ثبوت ہے کہ عقیدت، فن اور روایت کا ایک خوب صورت امتزاج اس خطے کی شعری میراث کا حصہ رہا ہے، جو مزید تحقیق اور تنقیدی توجہ کا مستحق ہے۔

مخمس:

بلتستان میں اردو شاعری کی صنفی تنوع کو جس انداز سے اپنایا گیا، اس میں مخمس کی صنف ایک دلچسپ اور منفرد اضافہ ہے۔ اگرچہ بلتی زبان میں مخمس کی روایت اس سے کہیں پہلے موجود تھی، تاہم اردو میں اس صنف کا باقاعدہ ظہور ۱۹۴۵ء کے لگ بھگ ہوا۔ یہ امر واضح کرتا ہے کہ بلتستان کا شعری مزاج نہ صرف مقامی لسانی اثرات سے ہم آہنگ تھا بلکہ فارسی شعریات کی گہرائی سے بھی فیض یاب ہوتا رہا۔ اردو میں یہاں کی پہلی اور غالباً واحد دستیاب مخمس، جو *راجہ محمد علی خان غریق آف کریس* کی تخلیق ہے، اسی تہذیبی امتزاج کا نمائندہ نمونہ ہے۔ اس تخلیق کا عنوان "*مخمس غدیریہ*" ہے، جو "عیدِ غدیر" کی مناسبت سے راجہ اسکردو کے نام تہنیتی پیغام کے طور پر کہی گئی۔ مذہبی تہوار کی مناسبت سے لکھی گئی اس مخمس میں خوشی، عقیدت اور روحانیت کے جذبات شعری رنگ میں ڈھل کر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ فارسی الفاظ، تراکیب اور اسلوب کی فراوانی نہ صرف اس کے لسانی حسن کو نکھارتی ہے بلکہ حضرت علیؑ کی مدح و توصیف کو ایک کلاسیکی وقار عطا کرتی ہے۔ امیر المومنین کے لقب سے حضرت علیؑ کا ذکر، اور غدیر کے پیغام کی شعری تشکیل، اس مخمس کو محض ایک تہنیتی نظم نہیں بلکہ ایک فکری و ثقافتی اظہار کا معتبر حوالہ بنا دیتی ہے۔ یوں مخمس کی یہ ابتدائی مثال بلتستان میں مذہبی شاعری کے اس رُخ کو نمایاں کرتی ہے جو خالص ادبی اظہار کے ساتھ تہذیبی حافظے کا بھی حصہ ہے۔ اس کا ایک بند ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

آج صہبائے ولائے اہلِ دل مدہوش ہے
بادہ نوشانِ محبت کو مئے سرجوش ہے
برلب خم غدیری بانگِ نونشاش ہے
کنت مولا کا دُر آویزہء ہر گوش ہے
آج دنیا میں امیرالمومنین مولا ہوا(۱۷)

بلتستان میں مخمس کی صنف کا تنقیدی مطالعہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اگرچہ یہ صنف اردو شعری روایت میں ایک مخصوص فنی اور اسلوبی مقام رکھتی ہے، تاہم بلتستان میں اس کا فروغ محدود رہا۔ *راجہ محمد علی خان غریق* کی واحد دستیاب "*مخمس غدیریہ*" اس صنف کی ابتدائی اور نمائندہ مثال کے طور پر سامنے آتی ہے، جس میں فارسی اثرات، مذہبی عقیدت اور کلاسیکی لسانی رنگ کی آمیزش پائی جاتی ہے۔ شمیم بلتستانی جیسے قادرالکلام شاعر، جنہوں نے بلتی شاعری میں متعدد تجربات کیے، اردو شاعری میں بھی فنی شعور اور لسانی فصاحت کا ثبوت دیتے ہیں، اگرچہ وہ خود اپنی اردو تخلیقات کو کمتر سمجھتے رہے۔ درحقیقت ان کا کام بتاتا ہے کہ وہ اردو کے اسالیب اور عروضی تقاضوں سے مکمل واقف تھے، خصوصاً منقبت جیسی اصناف میں ان کی مہارت نمایاں نظر آتی ہے۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو بلتستان میں مخمس کی صنف کا فروغ نہ پانے کی وجہ فنی صلاحیتوں کی کمی نہیں، بلکہ شاید ادبی رجحانات کا بدلتا ہوا مزاج اور نئی اصناف کی مقبولیت تھی۔ اس کے باوجود مخمس جیسی صنف کا وجود، خواہ ایک مثال ہی کیوں نہ ہو، اس خطے کی شعری روایت میں تنوع، تخلیقی وسعت اور مذہبی فن پاروں کی

جمالیات کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ یوں یہ مخمس محض ایک صنفِ سخن نہیں بلکہ بلتستان کے اردو ادب میں ایک منفرد اور نادر ورق کی حیثیت رکھتی ہے، جو مزید تحقیق اور تخلیقی توجہ کی متقاضی ہے۔

بلتستان میں منظوم عقیدتِ اہلِ بیتؑ کا یہ جائزہ اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ اردو شاعری کی رثائی روایت یہاں محض ایک مذہبی فریضے کے طور پر نہیں، بلکہ ایک فکری و تخلیقی عمل کے طور پر پروان چڑھی۔ مرثیہ، نوحہ، سلام، منقبت اور مخمس جیسی اصنافِ سخن میں بلتستان کے شعرا نے نہ صرف اپنی جذباتی وابستگی کا اظہار کیا بلکہ ان اصناف کو ادبی وقار، لسانی توانائی اور فکری بصیرت سے بھی ہمکنار کیا۔ غلام حسن حسنی، شمیم بلتستانی، سید مہدی سرباز اور غلام حسین سلیم جیسے شعرا کی کاوشوں سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ شمالی پاکستان کے اس دور افتادہ مگر علم و ادب دوست خطے میں واقعۂ کربلا ایک زندہ اور متحرک روایت کے طور پر موجود رہا ہے۔ ان شعرا نے جہاں اہلِ بیتؑ کے صبر، استقامت اور عظمت کو شعری پیکر میں ڈھالا، وہیں مقامی ادبی روایت کو ایک ایسی معنویت بخشی جو فکری حرارت، روحانی تاثرات اور تہذیبی شعور کی آئینہ دار ہے۔ یوں بلتستان کی اردو شاعری ایک منفرد شناخت کے ساتھ قومی ادبی منظرنامے کا جزو بن کر ابھری ہے، جسے نہ صرف مذہبی اور ثقافتی لحاظ سے بلکہ تنقیدی و ادبی زاویے سے بھی قدر و وقار کی نظر سے دیکھا جانا چاہیے۔

حوالہ جات:

۱۔ انٹرویوز محمد حسن حسرت، ۲۰۱۸۔۰۱۔۳۰۔

۲۔ حسنی، غلام حسن، نذرانہء اشک، بشیر پرنٹنگ پریس اسکردو، ۲۰۰۰ء، ص۹۸۔

۳۔ کمال الہامی، پروفیسر حشمت علی، بلتستان کے اردو اہلِ قلم، نگارشات بلتستان، ص ۶۴

۴۔ ایضاً،

۵۔ عظمیٰ سلیم ڈاکٹر، "شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب" مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء، ص ۲۶۷۔

۶۔ شمیم بلتستانی، "عقیدت" بلتستان اکیڈمی اسکردو، ۱۹۹۸ء، ص ۲۰۔

۷۔ ایضاً، ص ۱۰۔

۸۔ ایضاً، ص ۱۱۔

۹۔ عظمیٰ سلیم ڈاکٹر، "شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب" مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء، ص ۲۶۹۔

۱۰۔ مظفر علی ظفر "رازِ حیات" س ن، ص ۹۔

۱۱۔ عماچہ، محمد حسن خان، ڈاکٹر، مراد علی خان عماچہ کی متفرق شاعری، ثاقب پبلکیشنز، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۱۴۔

۱۲۔ مولوی حمزہ علی، "نورالمومنین" راولپنڈی ہمدرد پریس، ص ۱۹ سنہ اشاعت ندارد۔

۱۳۔ مولوی، حمزہ علی "فلاح المومنین" ص ۶۔

۱۴۔ عظمیٰ سلیم ڈاکٹر، "شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب" مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء، ص ۲۵۸۔
۱۵۔ شمیم بلتستانی، "عقیدت" اسکردو بلتستان اکیڈمی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۱۶۔
۱۶۔ کمال الہامی، پروفیسر حشمت علی، بلتستان کے اردو اہلِ قلم، نگارشات بلتستان، ص ۷۷
۱۷۔ عظمیٰ سلیم ڈاکٹر، "شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب" مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء، ص ۲۶۱۔

کتابیات:

حسنی، غلام حسن۔ *نذرانۂ اشک*۔ اسکردو: بشیر پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۰ء۔
شمیم بلتستانی۔ *عقیدت*۔ اسکردو: بلتستان اکیڈمی، ۱۹۹۸ء۔
عظمیٰ سلیم، ڈاکٹر۔ *شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب*۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء۔
عماچہ، محمد حسن خان، ڈاکٹر۔ *مراد علی خان عماچہ کی متفرق شاعری*۔ لاہور: ثاقب پبلیکیشنز، ۲۰۱۳ء
کمال الہامی، پروفیسر حشمت علی۔ *بلتستان کے اردو اہلِ قلم*۔ اسکردو: نگارشات بلتستان، اشاعت کا سال ندارد۔
مولوی حمزہ علی۔ *نور المومنین*۔ راولپنڈی: ہمدرد پریس، اشاعت کا سال ندارد۔
مولوی حمزہ علی۔ *فلاح المومنین*۔ اشاعت کا مقام و سال ندارد۔
مظفر علی ظفر۔ *رازِ حیات*۔ اشاعت کا مقام و سال ندارد۔

انٹرویو:

محمد حسن حسرت۔ انٹرویو، ۳۰ جنوری ۲۰۱۸ء۔

☆☆☆☆☆